© rasailojaraid.com

محمد انصار اللہ*

# ہندی، اردو پہیلیاں

ہندی کی ودوانوں اور اردو کے عالموں کے نزدیک یہ بات تقریباً مسلّم ہے کہ ہندی اور اردو میں سب سے پہلے "پہیلی" کہنے کا سہرا خواجہ امیر خسرو کے سر ہے۔ پروفیسر رامکمار ورما نے لکھا ہے:

"صوفی ادب کے ساتھ مسلمانوں کی لذت کوشی کے اثرات بھی نمایاں ہو کر سامنے آنے لگے۔ امیر خسرو کی مکری اور پہیلیوں نے تفریحی ادب پیدا کیا۔ بیرگاتھا کال کی شام میں تفریح کا یہ سامان قدرتی اور فطری ہوتے ہوئے بھی غیر اہم تھا کیونکہ خسرو کی پہیلیوں میں نہ تو ادبی متانت تھی اور نہ کسی مخصوص ضابطہ کا ان میں اظہار ہوتا تھا۔ یہ صرف خیالوں کو گدگدا دینے والی ایک چیز تھی۔ کھانا کھا کر حقّہ پیتے وقت یہ تفریح کا ذریعہ ہے۔ اس میں اگر سرنگار رس (نشاط) ہے تو وہ بھی غیرت سے خالی اور عریاں۔ کسی قدر ہنسی چاہے آ جائے، لیکن زندگی میں ان سے بیداری نہیں آ سکتی"۔ (شعر کبیر، ص ۸۸)

خواجہ امیر خسرو سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے فیروز تغلق کے پہلے سال جلوس میں وفات پائی تھی۔ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں مسلمان اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ "لذت کوشی" اور "غیرت سے خالی" تفریح کی انھیں فرصت تھی اور نہ اس زمانے میں اس کی گنجایش ہی تھی۔ صوفیا کا بھی کم و بیش یہی معاملہ تھا۔ وہ اپنی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی ضایع کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

خسرو کے وقت تک زبان ہندوی (قدیم اردو) میں کسی منضبط اور مربوط تصنیف کا اب تک سراغ نہیں مل سکا ہے۔ صرف چند دوہرے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کو "صوفی ادب" سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ فارسی زبان میں البتہ صوفیا کے اقوال اور ملفوظات کے منضبط کیے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور بعض اہم تصنیفی کارنامے سامنے آ چکے تھے، لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کا حاصل محض یہ ہو کہ اس سے "کسی قدر ہنسی آ جائے"۔ ان تصانیف میں "لذت کوشی" کی طرف بھی میلان نہیں پایا جاتا۔

---

* ریڈر، شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی چیز کے بارے میں ایک ہی مصنف نے الگ الگ مواقع پر مختلف خیالوں کا اظہار کیا ہے چنانچہ خسرو کی پہیلیوں سے متعلق پروفیسر رامکمار ورما نے ایک دوسرے مقام پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ لکھا ہے :

''پہیلیوں کے لیے تو خسرو مشہور ہیں ہی۔ اس قسم کی پہیلی اور مکری کہنے والا ہندی ادب میں ایک بھی نہیں ہے۔ اس میدان میں وہ بے مثال ہیں''۔ (ہندی ساہتیہ، ص ۱۳۰)

اردو کے مختلف محققین نے خسرو سے منسوب پہیلیوں پر شبہ کا اظہار کرنے کے باوجود ''بعض'' کو مستند مانا ہے۔ پروفیسر نورالحسن ہاشمی نے بھی لکھا ہے :

''اس میں شک نہیں کہ بعد کو بہت سی پہیلیاں ان کے نام سے دوسرے لوگوں نے کہہ کر رایج کر دیں اس لیے اب صحیح طور پر یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ کون سی پہیلیاں واقعی خسرو کی ہیں البتہ جواہر خسروی میں ان کی جو ہندی پہیلیاں ملتی ہیں ان میں سے بعض کے متعلق یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ امیر خسرو کی ہیں۔۔۔ لیکن ایسی پہیلیاں یا معمے جن کی زبان بہت صاف ہے یا جن میں بندوق، حقہ، چلم وغیرہ ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو خسرو کے زمانے میں نہیں تھیں انھیں خسرو سے کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے''۔

(علیگڑھ تاریخ ۱، ص ۴۸۴)

تحقیق میں سب سے زیادہ گمراہ کن لفظ ''بعض'' ثابت ہوا ہے۔ بعض کے متعلق، بعض لوگ، بعض قراین کے معنی کچھ بھی نہیں ہوتے۔ ایک بات کہی جائے لیکن قطعی طور سے تو وہ سینکڑوں ''بعض'' سے بہتر ہے۔ عموماً کوئی مدعی تحقیق جب قطعی بات کہنے سے قاصر ہوتا ہے تو اس کلمہ کا سہارا لیتا ہے اور نتیجہ کے طور پر غلط اور بے اصل خیالوں کی ترویج کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ''جواہر خسروی'' جس کا اقتباس بالا میں حوالہ دیا گیا ہے۔ مولوی محمد امین چریا کوٹی کی تالیف ہے جن کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ خسرو کی پہیلیوں کے لیے ان کے معاصر یا کسی قریب العہد مصنف کی سند تلاش کرنی چاہیے۔

حافظ محمود خاں شیرانی نے خسرو سے منسوب بعض غزلوں کے بارے میں حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے خالق باری کے خسرو کے ساتھ انتساب کی تردید کی۔ تعجب اس پر ہے اس تحقیقی بصیرت کے باوجود انھوں نے خسرو کے دو سخنوں، چیستان اور مکرنیوں کے انتساب کی صحت ما کون کر یہ کس طرح لکھ دیا کہ :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



''یہ چیزیں عام طور سے مشہور ہیں اس لیے ان کے نقل کرنے سے احتراز کرتا ہوں''۔ (مقالات ۱، ص ۱۴۲)

ہندی، اردو میں پہیلی کہنے کا سلسلہ عالمگیر اورنگ زیب کے وقت سے شروع ہوا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ لشکریوں کے واسطے سے شعرائے دکن کا کلام دہلی پہنچا تو فارسی کے زباندانوں کو تفریحی کا ایک ذریعہ ہاتھ آیا۔ انھوں نے زبان ہندوی (قدیم اردو) میں بعض ایسے لفظ نکال لیے کہ فارسی میں ان کے بالکل مختلف معنی مقرر تھے۔ ایسے لفظوں کو بول کر وہ لطف لینے لگے۔ انھوں نے الفاظ ذومعنیین کے صرف سے اپنے کلام کو بامزہ بنانا شروع کر دیا۔ اس طرح فارسی میں ایہام گوئی کا رواج ہوا۔ ''فرقۂ مقبولیۂ قبولیہ'' یعنی مرزا قبول اور مرزا گرامی کے شاگردوں اور عقیدتمندوں کا طرۂ امتیاز یہی بنا۔ اردو میں بھی ان کے اثر سے ایہام گوئی کا سلسلہ ہوا۔ اسی طرز نے دو سخنوں کی صورت اختیار کی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں اس کی کئی مثالیں نقل کی ہیں۔ چند یہ ہیں:

۱- شکار بچہ می باید کرد؟
قوت مغز کو کیا چاہیے؟ — جواب ہے — بادام

۲- سوداگر اچہ می باید؟
بوچے کو کیا چاہیے؟ — جواب ہے — دو کان

۳- گوشت کیوں نہ کھایا؟
ڈوم کیوں نہ گایا؟ — جواب ہے — گلا نہ تھا

پہلی مثال میں ایک سوال اور ایک جواب فارسی میں ہے۔ دوسری میں صرف ایک سوال فارسی ہے اور تیسری میں سوال اور جواب سب اردو میں ہیں۔

دو سخنوں نے لطیفہ اور بذلہ سنجی کی راہ دکھائی۔ امر اللہ الہ آبادی نے اپنے تذکرہ ''مسرت افزا'' (تالیف قریب ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء) میں عمدۃ الملک امیر خان انجام کے بارے میں لکھا ہے:

''گویند یکبار خاندوران خان روبروے بادشاہ از امیر خان گفت کہ در آخر لفظ ہر فرقہ کہ لفظ بان باشد یقین باید دانست کہ او حرامزادہ و شورہ پشت است مثل فیلبان و شتربان و بہلبان، امیر خان گفت، راست میگوئید اے مہربان''۔ (بحوالہ معاصر، حصہ ۵)

اسی بذلہ سنجی نے پہیلیاں کہنے کا شوق پیدا کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پہیلی نظم میں بھی کہی جا سکتی ہے اور نثر میں بھی۔ میر علی اوسط رشک نے اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

"پہیلی۔ کلامیکہ نام و مطلب دران پنہان دارلد۔ ف، چیستان"۔
(نفس اللغہ، ص ۱۲۵)

پروفیسر راسکمار ورما نے دو سخنہ (جسے وہ "دو پکھنا" کہتے ہیں) مکری اور ڈھکوسلے کو بھی پہیلی میں شامل کر لیا ہے اور اس طرح پہیلی کی چھ قسمیں بیان کی ہیں (ہندی ساہتیہ، ص ۱۳۰) لیکن ان سب میں فرق کیا جانا چاہیے۔ پہیلی میں کسی چیز، کیفیت یا واقعہ کو تلاش و جستجو کے بعد سمجھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس کے لیے حاضر دماغی شرط ہے۔ پہیلی کو بہت مختصر عموماً دو فقروں یا دو مصرعوں پر مشتمل ہونا چاہیے، لیکن اکثر پہیلیاں چار مصرعوں پر بھی پہیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ چار مصرعوں سے زاید کی پہیلیاں بھی مل سکتی ہیں، لیکن وہ بہتر نہیں ہوتیں۔ اختصار ہی پہیلی کا حسن ہے۔ پہیلی کا جواب بھی ایک لفظی یا دو لفظی ہونا چاہیے۔ پہیلی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول وہ جن میں جواب موجود ہوتا ہے۔ ثانیاً وہ جن کے لفظوں میں جواب موجود نہیں ہوتا۔ صرف قراین اور اشارے ہوتے ہیں۔ جواب غور و فکر کے بعد تلاش کرنا ہوتا ہے۔ پہیلی کہنے والوں نے اکثر الفاظ ذوسعنیین کا استعمال کیا ہے۔ وہ صنعت ایہام سے بھی فایدہ اٹھاتے ہیں۔ پہیلی کہنے کے لیے ہی نہیں سمجھنے کے لیے لفظیات پر اچھی نظر ہونی ضروری ہے۔ عام طور سے پہیلی کا مقصد تفریح و تفنن ہی رہا ہے اس لیے بیشتر پہیلی کہنے والوں نے روزمرہ اور بول چال کی زبان کا استعمال کیا ہے۔ شاید اسی لیے پہیلی کو نظم و نثر کی دوسری اصناف کی طرح علمی یا ادبی حیثیت حاصل نہیں ہو سکی اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے اکثر اہل علم نے اپنے کلام میں پہیلیوں کو شامل نہ کیا ہو لیکن ذرا توجہ کریں تو پہیلیاں غور و فکر کی ترغیب دیتی ہیں اور ان سے ذہن کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ تعلیمی مقاصد کے لیے بھی ان کا استعمال مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ پہیلیوں میں عصری معاشرت اور انداز فکر کی جھلک بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ان کو جمع کر کے ان کا مطالعہ اور تجزیہ بہت دلچسپ اور مفید ہوگا۔

ہندی، اردو میں جہاں تک معلوم ہو سکا ہے۔ پہیلی کہنے میں عمدۃ الملک امیر خاں انجام کو اولیت حاصل ہے۔ ان سے قدیم تر کسی شخص کی پہیلی تاحال ہمارے علم میں نہیں ہے۔ غلام محی الدین عشق و مبتلا میرٹھی نے پہلی بار اپنے تذکرہ "طبقات سخن" (تالیف ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) میں انجام کے پہیلی کہنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا ذکر کیا ہے :

"از ابنائے شاہ نعمت اللہ ولی است کہ از کمل الاولیا بودہ اند۔ میل خاطر از بس بمطائبہ و مزاح داشت۔ اکثر پہیلی می فرمود"۔
(بحوالہ ہماری زبان، ۱۵-جنوری ۱۹۶۰ء)

انجام کی ایک پہیلی یہ ہے :

دیکھ بھال لگی ہے سرسوں آج نہ جا تو، جا تو پرسوں

پہلے مصرع میں "سرسوں" پہیلی کا جواب موجود ہے۔ اس پہیلی میں کئی کئی لفظوں میں ایہام کا لطف موجود ہے، اور اس سے ہمارے اس خیال کی توثیق ہوتی ہے کہ پہیلی صنعت ایہام کے فواید یا شاخسانوں میں سے ایک ہے اور اس کا تعلق دورۂ ایہام گویان ہی سے ہے۔

امیر خاں انجام الہ آباد میں رہے تھے۔ ان کے اثر سے الہ آباد میں پہیلی کہنے کا چلن ہوا ہوگا۔ اس کے ابتدائی نمونوں کی اگر وہاں جستجو کی جائے تو غالباً مناسب تر ہے۔

مرزا مظہر اور ان کے متبعین نے ایہام گوئی کی مخالفت میں جو کامیابی حاصل کی تھی اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ طرز شاعری متروک ہوا اور سادہ گوئی کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس صورت حال نے پہیلی کہنے کے انداز کو بھی متأثر کیا۔ شیخ چاند مرحوم نے دیوان سودا سے جو ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء سے پہلے مدوّن ہو چکا تھا کچھ پہیلیاں اپنی کتاب میں دی ہیں۔ ان میں سے دو یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی پہیلی آتشبازی کی

رات سمیں اک میوہ آیا پھولوں پاتوں سب کو بھایا
آگ دیو ہووے لاکھ پانی دیوے وہ جائے سوکھ

یہ انار (آتشبازی) کی پہیلی ہے۔ لفظ "میوہ" سے اس کا تعین کیا گیا ہے۔ آگ دینے سے اس کے پھول پتے ظاہر ہوتے ہیں۔ پانی سے یہ بجھ جاتا ہے۔ زبان اس کی عوامی ہے۔ عالمگیر ثانی کے عہد میں کتابی اردو میں فارسی کے اثرات شعوری طور سے داخل کیے جانے لگے تھے۔ چنانچہ شاہ حاتم کا کہنا ہے کہ انھوں نے "میرزایان ہند" کے محاورہ کے مطابق زبان کو بنا دینے کی کوشش کی تھی۔ پہیلی میں کتابی زبان استعمال نہیں ہوتی۔ اس پہیلی میں نہ تو ایہام ہے اور نہ الفاظ ذومعنیین کا صرف ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دوسری پہیلی نرگس کی

تریا اک سبھا کے بیچ روپا سونا واکے سیس
عورت سر
مینا جیسے وا کے پاوں چیری جیسے واکا ناوں
اس نام

اس کا حال بھی زبان و بیان کے اعتبار سے پہلی ہی کا جیسا ہے۔

انجام اور پھر سودا کے اثر سے مختلف شاعروں نے پہیلی کہنے کی طرف توجہ کی ہوگی لیکن چونکہ اس کو علمی حیثیت حاصل نہیں تھی عام طور پر یہ کاغذ کی تحویل میں نہ آ سکیں البتہ زبانوں پر جاری رہیں۔

شاہ عالم بادشاہ نے عجایب القصص کے نام سے ایک ضخیم داستان ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۳ء میں لکھنی شروع کی۔ اس داستان میں ہے کہ:

"عہد بادشاہزادی ملکہ نگار کا جناب الٰہی سے یہی ہے، جو کوئی جواب اس بیست سوالوں کا دے گا زوجیت اس کی میرے تئیں قبول ہے"۔ (ص ۵۳۴)

اس کے بیسوں سوالوں کا جواب "بادشاہزادہ عالی مقدار شجاع الشمس" نے دیا اور پھر اس سے شادی کی۔ اس داستان میں سوال کس قدر مختصر ہیں، لیکن جواب بہت مفصل ہیں۔ ان سوالوں کی نوعیت پہیلی کی سی ضرور ہے، لیکن طوالت کی وجہ سے ان کو پہیلی کی ذیل میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ یہ اس لحاظ سے بھی پہیلی سے مختلف ہیں کہ سوالوں کے مقابلے میں جواب طویل ہیں جب کہ پہیلی میں سوال کے مقابلے میں جواب کو بہت مختصر ہونا چاہیے۔ اس تفاوت کے باوجود عجایب القصص اور اس کے بعد کی داستانوں (مثلاً قصۂ حاتم طائی وغیرہ) نے پہیلی کہنے کے شوق اور سلسلے کو آگے بڑھانے میں مدد دی۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں جو تباہی آئی، اس کے بعد بڑی بات یہ ہوئی کہ حکومت کو استحکام حاصل ہوتے ہی انگریزوں نے ہندوستان کے ماضی کی ہر قسم کی یادگاروں کو بہتر سے بہتر انداز سے محفوظ کر لینے کی فکر کی۔ زبان اردو میں ایسی کتابیں بھی لکھی اور لکھوائی گئیں جن میں یہاں کے کوایف کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہوا ہے۔ اس نوعیت کی قدیم ترین کتابوں میں پیارے لال آشوب اور کپتان ہالرائیڈ کی مشترکہ کتاب "رسوم ہند" بھی ہے۔ اس کے دیباچے میں جناب خلیل الرحمان داودی نے لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



”۱۸۶۴ء میں جب کہ میجر فلر ناظم تعلیمات تھے ، حکومت پنجاب نے ہندوستانی زبان میں اعلیٰ درجے کی تصانیف تیار کرانے کے لیے ایک کمیشن قایم کیا ۔ ۔ ۔ رسوم ہند اسی کمیشن کے حسن کارکردگی کی ایک یادگار ہے ۔ اس کتاب کی تالیف کمیشن کے قیام ۱۸۶۴ء کے فوراً بعد ہی شروع ہوگئی“۔ (صفحہ ب)

اس کتاب میں پہیلی کہنے اور بوجھنے کی بہت عمدہ عکاسی کی گئی ہے ۔ من سکھی اور سندر سنگھ کے قصہ میں ہے :

”من سکھی نے کہا : ”نہیں بیرن ! لے میں ایک پہیلی کہوں ، بتا دے گا ؟“۔

موہن نے کہا : ” کہہ“۔

من سکھی بولی : ” کھیت میں اپجے سب کوئی کھائے ۔ گھر میں ہوے تو گھر بہہ جائے“۔

موہن نے جواب دیا : ”بھلی پہیلی کہی ۔ یہ تو پھوٹ ہے“ ۔

پھر من سکھی نے کہا : ”اچھا یہ بتا ۔ ہری تھی، من بھری تھی، سوا لاکھ موتی جڑی تھی ، راجا جی کے باغ میں ، دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی“ ۔

موہن نے کہا : جی جی ! یہ تو نہیں بتائی جائے۔ تو ہی بتا دے“۔

وہ بولی : ”کہہ ، ہارا ، جھک مارا ، کوئیں کا پنہارا“۔

موہن نے کہا : ”یہ تو نہیں کہوں“۔

من سکھی نے کہا : ”اچھا تو بتا ہی دوں ؟ کوکڑی ہے“ ۔
اس کے بعد من سکھی نے اور بھی بہت سے پہیلیاں کہیں“ ۔
(رسوم ہند ، ص ۴۳ تا ۴۴)

اس اقتباس سے پہیلی بوچھنے کا انداز ، نہ بوجھ سکنے کی صورت میں اعتراف عجز کے طور پر جواب کا بھی بیان کیا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ پہیلیاں بجھاتے وقت ان کے مصنف کے نام کی تلاش و تحقیق کا خیال نہیں کیا جاتا تھا اس لیے پہیلیاں تو رایج رہیں ، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کا وضع کرنے والا کون تھا ۔ رسوم ہند میں ان دو کے علاوہ اور پہیلیاں بھی ہیں ۔ ان کے بارے میں بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف کے وقت زبانوں پر جاری تھیں اور اس سے پہلے کسی زمانے میں وضع کی گئی ہوں گی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پہلا شخص جس نے مختلف لوگوں کی کہی ہوئی پہیلیوں کو جمع کرنے کی طرف توجہ کی، الطاف رسول الطاف دہلوی تھا - اس شخص کے حالات بالکل معلوم نہیں ہوتے - صرف قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ وہ شاید حکیم آغا جان عیش دہلوی کا شاگرد تھا - اس نے ایک چھوٹی سی مثنوی ''بندر نامہ'' لکھی تھی جو مطبع نارائنی واقع دہلی میں ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء چھپی تھی - اسی کے حاشیہ پر ''پہیلی نامہ'' چھپا ہوا ہے - کتاب کی ضخامت صرف آٹھ صفحہ کی ہے - سرورق کی عبارت اس طرح ہے[1]:

''ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

۱۲۹۳ ہجری

بندر نامہ

و بر حاشیہ

۱۸۷۶ء

پہیلی نامہ

در مطبع نارائنی واقع دہلی طبع شد''

مرتب نے دیباچے میں لکھا ہے:

''بعد حمد رب العالمین و نعت سیّد المرسلین عرض کرتا ہے، عاصی الطاف رسول دہلوی کہ ان دنوں میں اس ہیچداں نے پہیلیاں استادان متقدمین و متأخرین کی انتخاب کر کے بطریق اختصار مجتمع کیں اور واسطے ملاحظہ شایقین کہ مرغوب خاطر، دریا مقاطر ہوں، اغلب کہ پسند خاطر عاطر ہوں - فقط -''

اردو میں اس قسم کی شاید اور کوئی کتاب مرتب نہیں ہوئی ہے - کم از کم راقم کے علم میں نہیں ہے - افسوس ہے کہ اس نادر رسالے کے ہر ورق کو دیمک نے مجروح کر دیا ہے اور بعض لفظ بالکل غایب ہوگئے ہیں -

الطاف نے اپنے رسالے میں سب سے پہلے ''پہیلیاں حضرت امیر خسرو کی'' لکھی ہیں - اس بارے میں چند غور طلب نکات یہ ہیں:

۱- عزیز محترم جناب سہر النہی (م - ندیم) نے یہ کتاب راقم کو از راہ علم پروری عنایت کی ہے - اس کے لیے راقم ان کا نہایت ممنون ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کسی بھی قدیم تذکرہ یا کتاب میں امیر خسرو کے پہیلی کہنے کا مذکور نہیں ہے۔ الطاف شاید پہلا شخص ہے جس نے ان کے نام سے پہیلیاں منسوب کی ہیں۔ اس نے جو پہلی پہیلی لکھی ہے وہ ''آدم و حوّا'' سے متعلق ہے۔ اس طرح ؎

بدھنا نے ایک پرکھ بنایا تریا دی اور منہ لگایا
خالق مرد عورت
چوک ہوئی کچھ وا سے ایسی دیس چھوڑا اور ہوا پردیسی

قطع نظر اس سے کہ اس پہیلی کی زبان کچھ قدیم نہیں ہے، اس سے کتاب کا آغاز کرنا بجائے خود خسرو سے منسوب پہیلیوں کو مشتبہ بنا رہا ہے۔

ایک بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ اس رسالے میں خسرو سے منسوب ایک پہیلی اس طرح ہے ؎

ناہیں ناہیں واکا نانو ارتھ کہو یا چھاڈو گانو
نام مطلب چھوڑ دو

اسی رسالے میں یہی پہیلی معمولی سے فرق کے ساتھ حکیم تجمل رسول خاں تجمل کے نام سے بھی تحریر ہے:

حکم نہ مانی واکا نانو ارتھ کہو یا چھاڈو گانو

الطاف اور تجمل غالباً استاد بھائی، بلکہ آپس میں رشتہ دار بھی تھے، اس لیے یہ دوسرا انتساب درست معلوم ہوتا ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

الطاف کے زیر نظر رسالہ میں خسرو سے منسوب ایک پہیلی وہ ہے جو گذشتہ اوراق میں انجام کے نام سے نقل کی جا چکی ہے۔ اس میں بعض لفظ اس طرح بدل گئے ہیں کہ یہ زیادہ سلیس اور جدید بول چال کے مطابق ہوگئی ہے ؎

دیکھ بھال لاگی سرسوں آج نہ بوجھو پر بوجھو پرسوں

انتساب کی ان غلطیوں کے بعد باقی پہیلیوں کے بھی خواجہ امیر خسرو سے انتساب کو صحیح نہیں مانا جا سکتا۔

''پہیلی نامہ'' میں الطاف نے خواجہ امیر خسرو کا نام غالباً تبرکاً شامل کرلیا تھا۔ ان کے بعد اس نے جو پہیلیاں لکھی ہیں، ان کے اوپر یہ عنوان کیا ہے:

''پہیلیاں ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ غازی مرحوم کی ہیں''۔

ان میں سے صرف ایک نمونہ کے طور پر یہاں نقل کی جاتی ہے ؎

۱۔ مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ میں خسرو سے منسوب ایک پہیلی میں ان دونوں مصرعوں کو اس طرح شامل کیا ہے ؎

بالا تھا جب سب کو بھایا بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناوں بوجھے نہیں تو چھوڑو گاوں

(ابتدائی نشو و نما، ص ۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ساری کو جو کہین ہیں ادھا    ناہین    کوی    پوچھن    ہارا

کہتے ہیں    نہیں    پوچھنے

یہ "لیم" کی پہیلی ہے۔ بادشاہ نے اس کا ترجمہ "آدھا" کر کے اس کو پہیلی میں نظم کر دیا۔

اس کے بعد کا عنوان یہ ہے:

"پہیلیاں طبعزاد جناب حکیم آغا جان صاحب عیش کی"۔

ان میں ایک پہیلی یہ ہے ؎

ایک تھال موتیوں سے بھرا    سب سے سر پر اوندھا دھرا
چاروں طرف وہ تھال پھرے    موتی اس سے ایک نا گرے
(آسمان اور تارے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ پہیلی بھی بعض لوگوں نے خواجہ امیر خسرو سے منسوب کی ہے اور اس کی زبان کو بنیاد بنا کر خسرو کی زبان کے بارے میں "لسانیاتی تجزیہ" پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عیش کی پہیلیوں کے بعد ان کے ایک شاگرد کی پہیلیاں درج ذیل عنوان سے رسالے میں شامل کی گئی ہیں:

"پہیلیاں طبعزاد حکیم تجمل رسول خاں تجمل خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں مغفور"۔

ان میں ایک پہیلی اس طرح سے ہے:

نہیں ہے نقلی ہیگی اصلی    آدھی دودھ ہے آدھی مچھلی
(شیر ماہی)

ان کے بعد "پہیلیاں متفرقات" ہیں۔ ان پہیلیوں کے مصنف کا نام تحریر نہیں ہے۔ ان میں سے دو یہ ہیں:

ایک ناری کا ڈھنگ نرالا    اور کا نام اپنا مُنہ کالا    (مُہر)

---

ایک پرکھ کا دیکھو ہیا    پھانک پھانک تن اپنا کیا    (کنگھا)

رسالہ کا خاتمہ جن پہیلیوں پر ہوا ہے ان کا عنوان اس طرح ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"پہیلیاں از نتایج طبع خواجہ ممتاز ہندی لکھنے والا"۔
اس شاعر کی ایک پہیلی یہ ہے ؎

ادھر کو آوے ادھر کو جاوے ہر پھیرے میں کاٹ وہ کھاوے
ٹھہر رہے جس دم وہ ناری میں نے کہا ادھر کو آری

(آری)

آری کی پہیلی جو خواجہ امیر خسرو کے نام سے منسوب ہے اس طرح ہے :

شیام برت اور دانت انیک لچکت جیسے ناری
دونوں ہاتھ سے خسرو کھینچ اور کہے تو آری

(ہندی ساہتیہ ، ص ۱۳۰)

اس میں اور خواجہ ممتاز کی پہیلی میں جو مناسبت ہے ظاہر ہے :

"پہیلی نامہ" کی اشاعت کے سات برس بعد ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی مشہور کتاب "آب حیات" شایع کی۔ انھوں نے بربنائے شہرت عام خواجہ امیر خسرو کے بارے میں لکھا :

"امیر خسرو نے کہ جن کی طبعیت اختراع میں اعلا درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی --- بہت سی پہیلیاں عجیب و غریب لطافتوں سے ادا کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے نمک نے ہندی کے ذایقہ میں کیا لطف پیدا کیا ہے"۔ (آب حیات ، ص )

انھوں نے بھی خسرو کے نام سے کئی پہیلیاں لکھی ہیں۔ سب سے پہلے بنولی کی پہیلی ہے ، اس طرح ؎

ترور سے اک تریا اتری ، اس نے بہت رجھایا
باپ کا اس کے نام پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پہیلی موری
امیر خسرو یوں کہیں اپنے نام بنولی

الطاف نے اس پہیلی کو اس طرح نقل کیا تھا ؎

ایک تریا ترور سے اتری اس نے کہیں ---
باپ کا اس کے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پدر کا خسرو یوں دیس کے بولی
اس کا نام جو پوچھا ہم نے اپنا نام نہ بولی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ افسوسناک ہے کہ آزاد کے بعد کے زبان واحب کے تمام مورخ خواجہ امیر خسرو کے نام سے تو پہیلیاں منسوب کرتے آ رہے ہیں لیکن ان شاعروں کو جنھوں نے واقعی اپنی ذہانت اور جدت فکر سے متعدد پہیلیاں کہی تھیں یکسر نظر انداز کر دیا ۔ اب جب کہ بعض چیزیں ہمارے علم میں آ چکی ہیں مناسب یہ ہے کہ ہم اس بات میں اصلاح کر لیں ۔

## مآخذ


آب حیات : مولانا محمد حسین آزاد ، شایع کردہ یو پی اردو اکیڈمی ، لکھنؤ ۱۹۸۲ء ۔

پہیلی نامہ : الطاف رسول دہلوی ، مطبوعہ دہلوی ۔

شعر کبیر : ترجمہ کبیر بداولی از محمد انصار اللہ ۔

رسوم ہند : پیارے لال آشوب و کپتان ہالرائڈ ، شایع کردہ مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۱ء ۔

عجایب القصص : شاہ عالم ، شایع کردہ مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۶۵ء ۔

علی گڑھ تاریخ ادب اردو : جلد اول ، شایع کردہ شعبہ اردو ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔

مقالات شیرانی (جلد اول) : مرتبہ مظہر محمود شیرانی، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۶۹ء ۔

نفس اللغۃ : از میر علی اوسط رشک ۔

معاصر پٹنہ : حصہ ۵ ۔

پندرہ روزہ ہماری زبان، علیگڑھ، ۱۵- جنوری ۱۹۶۰ء ۔


© rasailojaraid.com